عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

محرم ۱۴۲۶ھ/مارچ ۲۰۰۵ء

جلدسوم: شمارہ:۷

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے سالانہ بدل اشتراک: ۱۸۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

ای۔میل: saqi_pak@hotmail.com

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

ایک نو وارد کا سوال

ایک نو وارد نے سوال کیا کہ دُعا کریں کہ دین ہم میں آ جائے۔

دُنیا کے معاملہ میں ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ ہم مرتے دم تک کوشش کرتے ہیں لیکن موت تک پیٹ نہیں بھرتا۔ اور دین کے بارے میں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ پکا پکایا پھل جھولی میں گر جائے۔ حالانکہ دُنیا اور رزق کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں اور دین کے معاملہ میں جدوجہد اور اعمالِ صالحہ کی دعوت دی ہے۔ انسان کو اللہ نے مشقت کے لئے پیدا کیا ہے، یا تو دین کے لئے محنت کرے گا یا دُنیا کے لئے۔ جو اولوالعزم مسلمان ہوگا دین کے لئے زیادہ محنت کرے گا اور دُنیا کے لئے ضمناً کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں جتنا دین دیتے ہیں وہ اپنی محنت کے بقدر دیتے ہیں، الا یہ کہ اللہ استعداد اور طلب و اخلاص کے سبب زیادہ دے۔ یہ نہیں کہ ہم رُخ دوسری طرف کریں اور دین مل جائے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

انبیاء در کارِ عقبیٰ قدری اند   کافراں در کار دنیا قدری اند

انبیاء درکارِ دنیا جبری اند   کافران درکار عقبی جبری اند

مؤمن آخرت کے لئے محنت کرنے پر اپنے کو قادر سمجھتا ہے اور کافر دنیا کے لئے محنت کرنے پر اپنے کو قادر سمجھتا ہے۔ جبکہ کافر دُنیا کے لئے اپنے کو طاقتور سمجھتا ہے اور آخرت کے لئے کہتا ہے کہ فرصت نہیں۔ جبر و قدر کا معاملہ ایسا تقسیم کیا کہ ہم دُنیا کے بارے میں جبری اور کافر آخرت کے بارے میں جبری۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس لئے بھیجا ہے کہ دُنیا میں رہ کر اپنی عاقبت اور آخرت کو بنائیں۔ حدیث میں آتا ہے۔

الدنیا مزرعة الأخرة ﴿دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔﴾

آخرت اصل تھی اور نتیجہ میں دُنیا دینی تھی۔ مؤمن اور کافر کا ضابطہ ایک نہیں ہے۔ مؤمن کی مثال سر کی ٹوپی کی سی ہے اور کافر کی مثال پاؤں کی جوتی کی سی ہے۔ اگر سفید ٹوپی کو تھوڑی سی بھی گندگی لگ جائے تو اس کو جلدی صاف کرتے ہیں اور اس کو دھوتے ہیں جبکہ جوتے کے ساتھ ہر قسم کی گندگی لگی ہوتی ہے لیکن اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ہم کو اصلاً آخرت کے لئے بنایا گیا ہے۔ دین ہمارے ہاں چند تعبدی اعمال کا نام نہیں۔ دین آتا ہے تو اپنے جز و کل کے ساتھ آتا ہے۔ ہمارے گھر، بازار اور عدالت کی زندگی دین ہے۔ ہر عمل کی جان رضائے الٰہی اور طریقۂ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ ہر عمل میں جان ایک ہوگی اور صورتِ عمل بدلتی

رہے گی۔ اگر ایک کاشتکار کاشتکاری اللہ کی رضا کے لئے کرے گا تو اس کر اجر ملے گا۔ تاجر اگر اللہ کی رضا کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر تجارت کرے گا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ دین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پاؤں توڑ کر کوئی دُنیا کا جائز کام بھی نہ کرے اور کوئی کسب نہ کرے۔ ہاں اگر اللہ کی رضا کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر دُنیا کا کام کرے گا اور مقصد آخرت ہو تو دُنیا پاؤں پر آ کر گرے گی۔ جیسے یہ کالج کے لڑکے بوٹوں کو خوب چمکا دیتے ہیں اور کبھی ارادہ بھی نہیں ہوتا کہ راہ چلتے ہوئے بوٹوں پر گرد پڑ جائے مگر پھر بھی گرد پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح مؤمن کی نوعیت ہے کہ اگر سچ مچ اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے زندگی گزارتا ہو تو دنیا گرد کی طرح پاؤں پر گرتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے

وھی راغمۃ (دُنیا ناک رگڑتی ہوئی آئے گی۔)

دین سب کچھ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ جب ہم کُل کو چھوڑ دیتے ہیں تو جز و پر سب کچھ نہیں ملتا۔ کسی نے پوچھا کہ ہم مسلمان کیوں ذلیل ہیں؟ میں نے کہا اس لئے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ ایک ڈاکٹر نسخہ بتاتا ہے جس کے سات یا آٹھ اجزاء ہیں۔ آپ نے سستے اجزأ تو استعمال کر لئے اور مہنگے اجزأ کو استعمال نہیں کیا تو نسخہ کا اثر نہیں ہوگا۔ آپ ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتے ہیں کہ نسخہ نے تو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ اس نے کہا کہ استعمال کیا ہے؟ کہا کہ ہاں۔ تو پوچھا کہ پورے کا پورا نسخہ استعمال کیا ہے؟ کہا کہ نہیں۔ تو پھر ڈاکٹر نے کہا کہ جب استعمال نہیں کیا تو اثر کیا کرے گا۔ اسلام میں سے ہم نے معاشرت، معاملات اور اخلاق کو نکال دیا ہے۔ بہت متقی بن گئے تو ٹوٹی پھوٹی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کر لئے۔ عقیدے میں اگر پختگی ہوتی کہ ہاں اللہ ہی سے ہوتا ہے، تو جو اللہ والا ہوتا ہے وہ اللہ کے سوا غیر کو دیکھ کر نہیں چلتا۔ آپ دفتر میں کام کرتے ہیں تو تحت الشعور میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یا افسر صاحب خفا نہ ہوں۔ اسی طرح فوجی، کمانڈنٹ صاحب کے منشاء کو دیکھیں گے۔ تو مؤمن کی منشاء کیا ہوگی؟ جس کے سامنے سورج آ جائے تو وہ موم بتی کو جلا کر روشنی حاصل نہیں کریں گے۔ ہم اسلئے غیروں کے پیچھے چلتے ہیں کہ ہمارے سامنے روشنی آئی ہی نہیں۔ ہم میں سب سے بڑی کوتاہی یہ آئی کہ ایمان کی لائٹ ڈِم ہوگئی۔ اگر ایمان قوی ہوتا تو اعمال درست ہوتے۔ ایمان کیسے درست ہو، ہم نے تو خدا کی معرفت کی کوشش ہی نہیں کی۔

گزر اُن کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

پہلے گورے صاحب ہوتے تھے اور اب کالے صاحب ہیں۔وہ زمانہ کب گزارا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا سمجھ کر زندگی گزاری ہو۔ہم نے کوشش ہی نہیں کی۔

ایک نماز کی مثال کو لے لیں۔جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو نماز کے دوران میں ایک لمحہ بھی ایسا آتا ہے کہ ہمارے دل میں خدا کے خیال کے سوا کوئی اور خیال نہ ہو؟ دل ایسا خدا میں شاغل ہو جائے۔ہم نماز میں خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں کہ بھولی ہوئی چیزیں سب یاد آجاتی ہیں۔دین اگر کُل کا کُل آئے گا تو سب چیزیں آئیں گی۔عقیدہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا دھیان، محبت، خشیت اور عظمت و کبریائی کو دل میں پیدا کرنا ہے۔سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا تعارف کرایا۔قرآن تعارف نامہ رب ہے۔قرآن اللہ تعالیٰ کا Introductory Card ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے جو تعارف کرایا وہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، سب تعریف، جمال و کمال ونوال و خیر و خوبی اُسی کی ہے۔

مدح خورشید مدح خدا است۔﴿سورج کی تعریف درحقیقت اللہ کی تعریف ہے﴾

اگر دیوار اس وقت دکھائی دے رہی ہے تو یہ لائٹ کی وجہ سے ہے۔روشنی بند کر دیں تو دیوار دکھائی نہیں دے گی۔یہ دیوار کا کمال نہیں کہ وہ دکھائی دے رہی ہے بلکہ روشنی کا کمال ہے جس کی وجہ سے دیوار دکھائی دے رہی ہے۔اسی طرح سب جمال و کمال اللہ کی ذات میں ہے۔ہم کو تو اب تک الحمد للہ نہیں آیا۔اگر ہم کو بسم اللہ بھی آ گیا تو ہم درست ہو جائیں گے۔''والنّاس'' تو بہت دُور ہے۔مسلمان کے لئے''ب''، بسم اللہ سے لیکر''س'' والنّاس تک ''بس'' ہے یعنی قرآن کافی ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ کہ اے اللہ تیرے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں۔تو کیا کوئی رشوت لے کر بسم اللہ کہے گا؟ بسم اللہ کہنے کے ساتھ شراب نہیں پیئے گا۔بسم اللہ کہنے کے ساتھ یہ لازم ہے کہ اللہ کا دھیان ہو کہ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔کوئی...گناہ کر سکتا ہے جب بسم اللہ اپنی حقیقت کے ساتھ یاد ہو؟ سب سے پہلے اللہ نے قرآن میں اپنا تعارف کرایا''الحمد للہ'' پھر ربوبیت کو کھولا ''رب العالمین'' جب دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے تو اپنی ضروریات کو خدا سے پوری کراؤ ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ یعنی بندگی کے طریقہ سے اللہ سے مدد مانگو۔بندگی کا طریقہ استعانت باللہ کا طریقہ ہے۔

بندگی چیست بگو بندہ جانان بودن دل بدست دیگرے دادن و حیران بودن

ترجمہ: بندگی کیا ہے؟ کہو کہ محبوب (اللہ) کا تابعدار ہو جانا، دل دوسرے کے ہاتھ میں دے دینا اور حیران رہ جانا۔

دل اُس کو دے دو اور اس کے حکموں کی تلاش اور پورا کرنے میں لگے رہو۔ اسلام کیا ہے؟ اپنے سے گزر کر خدا کے سامنے اپنے کو ڈال دینا۔ اسلام نام ہے چاہتِ نفس کو چھوڑ کر خدا کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا۔ اگر کوئی فوج کا سپاہی تھوڑا سا بھی ادھر اُدھر ہو جائے اور حکم عدولی کرے تو کورٹ مارشل ہو جاتا ہے۔ مؤمن تو خدا کا سپاہی ہے اور حِزْبُ اللہ ہے۔ مؤمن کی وردی کیا ہے؟ صِبْغَةَ اللّٰهِ اللہ کا رنگ اور رنگ کا طریقہ کیا ہے؟ وَ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ٥ (البقرہ:۱۳۸) اور اللہ کے رنگ میں رنگ جانے کا طریقہ اس کی بندگی کرنی ہے۔

عبد دیگر عبدهٔ چیزے دیگر ایں سراپا انتظار اُو منتظر

بندہ اور چیز ہے اور اُس (اللہ) کا بندہ اور چیز ہے، عام بندہ تو سراپا انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے جبکہ اس کا یعنی اللہ کا بندہ ایسے قبولیت کے مقام پر ہوتا ہے کہ اس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اپنی زندگی سے گزر کر خدا والی زندگی پر انسان آجائے۔ جب تک خدا تک نہ پہنچے تو بندہ کیسے بنے گا۔ جب معرفتِ حق مل جائے تو بندگی آسان ہو جائے گی، لیکن معرفت حق کے لئے ہم کوشش نہیں کرتے۔ ہر کام کے لئے تجربہ کیا جاتا ہے جیسے کیمیا وغیرہ کے پروفیسر بننے کے لئے تجربے کئے جاتے ہیں، اسی طرح خدا کی معرفت کے حصول کے بھی تجربے ہوں گے۔ جس طرح کیمسٹری فزکس وغیرہ کے اپنی اپنی قسم کے تجربات ہیں اسی طرح دین کے لحاظ سے بھی بعض چیزیں نظری ہیں ان کو عملی بنانے کے لئے تجربات کئے جائیں گے۔

پشاور یونیورسٹی میں انگریزی کے ایک پروفیسر عزیز الصمد صاحب تھے جو دہریہ تھے۔ ایک دن کہنے لگے کہ خدا کو کیسے مانا جائے؟ میں نے کہا کہ خدا کو تو نہیں دیکھا ہے لیکن خدا والوں کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا کہ تم شرابی کو دیکھ کر بتاتے ہو کہ اس نے شراب پی ہے اور مخمور ہے۔ ہم نے بھی اللہ کی محبت کے مخموروں کو دیکھا ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ 40 دن مُجھے دے دو خدا دکھا تو نہیں سکوں گا لیکن محسوس کراؤں گا۔ 40 دن پر راضی نہ ہوئے۔ پھر میں نے کہا کہ 10 دن دے دو اور وہ کرو گے جو میں بتاؤں گا، اس پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ ہم لگاتے ہیں بیری کا درخت اور توقع رکھتے ہیں کہ یہ آم کا پھل دے گا۔ ہم نے ابھی تک شجرۂ طیبہ کا درخت دل

میں لگایا ہی نہیں اور جو لگا ہے اس کی نگرانی نہیں کرتے۔ تو بغیر نگرانی اور دیکھ بال کے شجرۂ طیبہ کا پودا کیسے بڑھ سکتا ہے۔ خاندان کے رسم ورواج نے بیج تو شجرہ طیب کا ڈالا ہے یعنی خاندان کے رسم ورواج سے ہم مسلمان تو ہو گئے لیکن ہم نے اس کی کتنی آبیاری کی ہے۔ ہم نے دل کو اور دل کی حقیقت کو نہیں دیکھا۔ ہم اس دھک دھک کرنے والے دل کو دل سمجھتے ہیں حالانکہ ؎

تو ہمی گوئی که مارا ہم دل است

دل فراز عرش باشد نے ز پست

ترجمہ: تو بھی یہ کہہ رہا ہے کہ ہمارا بھی دل ہے حالانکہ دل تو عرش کی بلندی لیے ہوئے ہے نہ کہ پستی۔

شریعت کی اصطلاح کا دل وہ نہیں جو گوشت کا ٹکڑا ہے۔ روح کا تعلق دل کے ساتھ ایسا ہے جیسے والو کا ریڈیو کے ساتھ ہوتا ہے۔ دل میں ایک لطیفہ Delicate sense ہے جس کی وجہ سے دل کا روح کے ساتھ رابطہ ہے۔ بچہ ریڈیو کے والو کو گھماتا ہے اور کہتا ہے کہ ریڈیو لندن کو نہیں کھینچتا۔ تو ہم کہیں گے کہ ریڈیو اس لئے لندن نہیں کھینچتا کہ تم نے سوئی صحیح جگہ پر نہیں ملائی ہے۔ اسی طرح ہم اپنے نفس کی سوئی کو دل کے مقام پر نہیں لائے۔ ہم بہت گھومتے پھرتے ہیں لیکن ایک بالشت کا چکر نہیں کاٹ سکتے کہ نفس کو دل کے مقام پر لے آئیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دل کا دائرہ کیا ہے؟ اور نفس کا دائرہ کیا ہے؟

اہلِ دُنیا کافرانِ مطلق اند

ہر زمان در جك جك و در بك بك اند

اہل دُنیا ہر وقت جک جک بک بک میں مشغول ہیں۔ ایک صاحب نے تمام دُنیا کی دولت کو اکٹھا کیا وجاہت کو حاصل کیا سب کچھ ہو گیا لیکن وہ چیز حاصل نہیں کی جو آخرت میں کام آتی ہے تو اس نے کیا حاصل کیا؟ ایک منطقی تھا وہ ایک کشتی میں بیٹھا، دریا کے اندر اس نے ملاح سے پوچھا کہ بھائی آپ نے منطق بھی پڑھی ہے؟ ملاح نے جواب دیا کہ بھائی منطق تو نہیں پڑھی۔ اس منطقی نے کہا کہ تم نے تو آدھی زندگی ضائع کر دی۔ جب کشتی تھوڑا آگے دریا میں گئی تو ایک بھنور میں پھنس گئی۔ اب ملاح نے منطقی سے پوچھا کہ تم نے تیرنا بھی سیکھا ہے؟ کہا کہ نہیں۔ ملاح نے کہا کہ کمبخت تم نے تو ساری زندگی ضائع کر دی۔

ہر چند فلسفہ کی چناں اور چنیں رہی لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

ہزار ہم باتیں کریں کہ یوں ہے اور وہ ہے لیکن اصل مسئلہ ایمان وتقویٰ کا ہے۔ اگر موت کے وقت ایمان اور تقویٰ نہیں تو کیا بنے گا۔ مثال کے طور پر ایک بچہ ہے، ماں کے پیٹ میں ہے، خوب موٹا تازہ ہے، نہایت حسین وجمیل اور بہت خوبصورت اور توانا ہے۔ ماں سے جو اخذ کرسکتا تھا وہ اخذ کیا، ماں کی تمام توانائی کو کھینچا۔ اللہ فرماتے ہیں ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (الفجر:۲۰) ﴾اللہ نے نکلنے کا راستہ آسان کیا﴿ لیکن پیدا ہوتے ہوئے مر گیا۔ اب جب وہ بچہ بنا تھا، جسم بنا تھا، کان، ناک بنے تھے اور تمام بدن کے اعضاء ملے تھے اور اس لئے ملے تھے کہ اب وہ اس جسم اور ان اعضاء کو استعمال کرسکتا ہے۔ اگر آواز نہ نکالی ہو تو نام بھی نہیں رکھا جائے گا اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اسی طرح دولت کے لحاظ سے کوئی ہنری فورڈ ہو جائے اور طاقت کے لحاظ سے کوئی کینیڈی ہو جائے، قوت والا ہو جائے، بیویوں والا ہو جائے، سب کچھ ہو جائے لیکن موت جو انتقال ہے دوسرے عالم کو، جو پیدائشِ برزخ ہے جس کو ہم موت کہتے ہیں۔ جیسے ہماری ماں کے پیٹ میں جراثیم وغیرہ ہوتے ہیں، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس عالم کی نسبت سے تو وہ پیدائش ہے لیکن ماں کی پیٹ کے عالم کے نسبت سے وہ موت ہے۔ ماں کے پیٹ کے جراثیم کہتے ہوں گے کہ وہ موٹا تازہ جرثومہ مر گیا۔ اسی طرح موت پیدائش ہے عالم ناسوت سے عالم برزخ میں آنے کے لیے۔ تو اگر عالم برزخ کی پیدائش کے وقت جاتے جاتے ایمان کی مایہ (دولت) ہاتھ سے نکل گئی تو وہاں کے لحاظ سے یہ پیدائش موت ہے۔ جیسے اس عالم میں بچہ کو روح کی ضرورت ہے آخرت میں ایمان کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلی اور آخری ضرورت انسان کی یہ ہے کہ اپنے خالق ومالک کو پہچانے۔ جو اپنے خالق ومالک کو پہچانے گا اللہ ان کو ضائع نہیں کرے گا۔

لا یموت من حئی القلوب ﴾جن کے دل زندہ ہوتے ہیں، وہ مر کر بھی نہیں مرتے﴿

آسان سا طریقہ ہے کہ اللہ کے حکموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اللہ کی رضا کیلئے پورا کرو۔ یہ نہیں کہ دُنیا کو چھوڑ و اور جنگلوں اور غاروں میں جا کر زندگی گزارو۔

ے مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ
مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں مصلحت جنگلوں اور غاروں میں چلے جانے میں تھی

جبکہ ہمارے دین میں مصلحت اللہ کے دین کے لیے جہاد کرنے اور اسلامی حکومت قائم کرنے میں ہے۔

زاہد نے شہر چھوڑا جنگل میں جا کے بیٹھا

جس کی تلاش اس کو وہ ہے بغل میں بیٹھا

صرف اپنی رائے کو بدل دو، چاہت و نیت کو بدل دو۔ مقصود خدا کی ذات اور طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ ہم سب مسلمان ہیں، ہمارے نزدیک سب سے اونچا پاکیزہ طریقہ کس کا ہے؟ گناہ گار سے گناہ گار مسلمان بھی یہ کہے گا کہ جو تمام مخلوق میں افضل و اعلیٰ اور پاکیزہ ہیں یعنی میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو کیا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ پر اکتفا کریں۔ کلاس ون پوسٹ چھوڑ کر ہم چپڑاسی بننا چاہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے یہاں بھی اعلیٰ وارفع بن جائیں گے اور آخرت میں بھی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

دین کیا ہے؟ ہر قدم کے اُٹھانے سے پہلے اتنا سوچ لیا کرو کہ کیا میرا اللہ اس سے راضی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک سے معلوم ہوگی۔ بس اللہ کی رضا اور دُنیا و آخرت کی کامیابی کس چیز میں ہے؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسی شاہراہ ہے کہ جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اگر انسان طے کرے تو کچھ مُشکل نہیں۔ آج کل یہ چکر چلا ہے اور یہ نعرہ بلند کیا جا رہا ہے کہ **It is the age of science and technology** کہ یہ سائنس اور ٹکنالوجی کا زمانہ ہے اور آپ اس میں فرسودہ اور پُرانے طریقوں کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے زمانہ کے لوگوں کے لئے نمونہ اور اسوہ ہیں۔ آپؐ کے طریقوں میں قیامت کے زمانے تک کے لوگوں کے لئے دین و دُنیا کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ زمانہ جتنی بھی ترقی کرے اور سائنس اور ٹکنالوجی جتنی بھی ترقی کریں اور **Space** اور **Atom** کا زمانہ بھی آجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ سب بہانے اور دین سے فرار کی باتیں ہیں کیونکہ دین نفس پر لاگو ہوتا ہے اور نفس پابندی نہیں چاہتا۔ حالانکہ اسلام جو پابندی عائد کرنا چاہتا ہے وہ سخت نہیں۔ وہ تو رحیم و شفیق ڈاکٹر کی طرح ہے جو مریض کو مریض ہی کے فائدے (باقی صفحہ ۲۰ پر)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

اصلاحی مجلس

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم: ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ پٹھوں کی بیماری میں مبتلاء تھے،ایک تو فالج ہوتا ہے جس میں اعصاب ختم ہو جاتے ہیں اور ایک اور بیماری ہے جس میں پٹھے ختم ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس کو progressive muscular destrophy کہتے ہیں۔اس کے مختلف علاج کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس معذوری کی حالت میں بھی اس بات سے مایوس نہیں ہوں کہ میرا علاج نہیں ہو سکے گا۔اللہ کی شان کہ انھوں نے ڈاکٹری علاج کیا، حکیمی علاج کیا، دَم و دُعا وغیرہ کراتے رہے۔ایک دفعہ جرمنی تبلیغی جماعت میں گئے، جرمنی کی ہومیوپیتھی کی شہرت تھی وہاں پر بھی علاج کروایا۔اللہ والے لوگ علاج وغیرہ کرانا، اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے اور اس خرچ پر جو ثواب ہو اس کو حاصل کرنے کے لیے، اور اپنی معذوری، محتاجی اور فقر اللہ کے حضور ظاہر کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم آپ کے محتاج ہیں اور اس کے نتیجے میں اگر شفاء ہو گئی تو الحمدللہ اور اگر نہ ہوئی تو اتنا عظیم ثواب تو حاصل ہو گیا ۔تین پہلوئیں کا ثواب، اللہ کا حکم پورا کرنا، اس پر جو خرچہ ہوا اس کا ثواب اور اپنی عاجزی اور فقیری کا اللہ کے ہاں اظہار کرنا اس کا ثواب۔اللہ کی شان کہ علاج معالجہ کرنے والوں کا بھی جذبہ ہوتا ہے کہ ایسے اہل اللہ ہوں تو ان کی ہم خدمت ہم کریں۔بعض بڑے عجیب عجیب لوگ ان کی علاج کے لیے آتے رہے، ایک ڈاکٹر صاحب خود آئے یہ آکوپنکچر والے تھے، انھوں نے بھی علاج کیا لیکن بیماری پر اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ اس کا فائدہ نہیں ہوا۔ان دنوں ہومیوپیتھی نئی نئی آئی تھی، یہاں انجینئرنگ یونیورسٹی کے ایک پرنسپل ہوتے تھے وہ اس کا شوقیہ علاج کیا کرتے تھے، انھوں نے بھی حضرت مولانا صاحبؒ کا علاج کیا۔حضرت مولانا صاحبؒ بڑی قدردان شخصیت تھے، ان کا دل چاہا کہ ان کو بھی کوئی اس کا معاوضہ دیا جائے، وہ معالج فقیر منش آدمی تھے پیسے وغیرہ کا لالچ نہیں کیا کرتے تھے، خدمت خلق کے جذبے سے کرتے تھے۔خود ان کا اور ان کے مریدوں کا پرانی پرانی گاڑیاں چلانا اور نئی گاڑیاں نہ لینا عاجزی کے اظہار کے لیے ہوتا تھا، لیکن یہ صاحب نماز روزہ کے تارک تھے اور ظاہرِ شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے۔حضرت مولانا صاحبؒ کا دل چاہا کہ ان کی بھی خدمت ہو، اور وہ اس صورت میں ہو کہ یہ نماز روزہ شروع کر دیں یعنی اس فرقۂ باطنیہ کی ترتیب سے ہٹ کر شریعت کی ظاہری ترتیب پر آجائیں کہ نجات تو بغیر ظاہری شریعت کے نہیں ہوتی۔باطنی ایک فرقہ گزرا ہے جو کہ ظاہری اعمال ترک کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آدمی کی نجات صرف باطنی اعمال پر ہو جاتی ہے۔ان صاحب کا مرید

ہونے کے وقت لوگ نماز روزے والے ہوتے تھے اور پرانے مرید آپس میں ہنستے تھے کہ نئے مرید ابھی پہنچے نہیں ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد واقعی وہ ذکر میں رونا شروع کر دیتے تھے، اللہ رسول کا نام لیکر رونا شروع کر دیتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ اب پہنچ گیا ہے، ایسا آدمی نماز روزہ چھوڑ دیا کرتا تھا نعوذ باللہ ان کا یہ خیال تھا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا جذبہ ہوا کہ اس جہالت سے ان کو نکالیں کیونکہ عقیدے کا ضائع ہونا اور اللہ کی رحمت سے دور ہونا بہت بڑا نقصان ہے، ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ سے ملایا ۔ حضرت اس کے باطن پر متوجہ ہوئے، جب وہ چلے گئے تو حضرت نے مولانا صاحبؒ سے فرمایا کہ یہ وہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اس کا واپس آنا مشکل ہے، واقعی پھر اسی حال پر ان کی موت بھی ہوئی۔ تو ہوتا یوں ہے کہ آدمی جب کسی کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، کسی کی فکر کو لیتا ہے، کسی کتاب کو پڑھتا ہے اور کسی ترتیب کو لیتا ہے تو اس کے باطن کا حال بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک حال بدلا ہوا عارضی ہوتا ہے ایک دائمی ہوتا ہے۔ ہم جب دیہات میں ہوتے تھے بچپن میں تو ہمارے گاؤں کے پاس پہاڑوں کے دامن میں ایک قبیلہ آباد تھا۔ عید کے دنوں میں وہ کپڑے وغیرہ بناتے تھے ایک تو بڑے پھولوں والے، بڑے گہرے رنگ والے کپڑے بناتے تھے کیونکہ دیہاتی آدمی کا اپنا ایک ذوق ہوتا ہے، تو جب مہینے کے بعد اس کو دھوتے تھے تو بس رنگ ونگ سب ڈھل دھلا جاتا تھا۔ تو بڑے بوڑھے کہتے تھے کہ یہ کچہ رنگ ہوتا ہے ایک مہینہ تو خوب شوخ چلتا ہے اور آدمی کو خیال ہوتا ہے کہ اس کے کپڑے بھی اچھے قسم کے ہیں لیکن جب ایک بار دھوتے ہیں تو اس کا رنگ ضائع ہو جاتا ہے۔ عموماً نوعمر نوجوانوں کا رنگ کچہ ہوتا ہے۔ روحانیت کا رنگ بھی کچا اور پکا آتا ہے اور باطل کا رنگ بھی کچا پکا آتا ہے کچا رنگ آیا ہوا ہوتا ہے باطل کا تو بفضلہٖ تعالیٰ اچھی جگہ پر جانے سے ڈُھل جاتا ہے صاف ہو جاتا ہے اور آدمی کا پھر نئے سرے سے صبغۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جانے کے حالات ہو جاتے ہیں

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرة: ۱۳۸)

ترجمہ: ہم (دین کی) اس حالت پر ہیں جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو۔

یہ رنگ رنگ جو میں کر رہا ہوں یہ ایسے میں نہیں کر رہا ہوں باقاعدہ آیت میں آئی ہوئی بات ہے ،صِبْغَةَ اللّٰهِ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ رنگ اللہ کا، اور کس کا بہتر رنگ ہے اللہ کے رنگ سے''، تو واقعی پکا رنگ وہی ہے۔ (اس اثناء میں پروفیسر عالمگیر صاحب سے اور پروفیسر قیصر صاحب سے سوال کیا)

یہ رنگ پکا کیسے ہوتا ہے، قیصر صاحب رنگ پکا کیسے ہوتا ہے؟ عالمگیر صاحب رنگ پکا کیسے ہوتا ہے؟ قیصر صاحب نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں، ثاقب صاحب نے جواب دیا اجرک والے اس کو تندور میں ڈال کر پانی ڈال کر کسی خاص ٹمپریچر پر، شاید ایک دو دن اس کو رکھنا ہوتا ہے اور ماہر آدمی کا ان کو دیکھنا ہوتا ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے خود جواب دیا کپڑے کے کارخانے والوں کی اصطلاح میں اس کو مارڈ انٹنگ کہتے ہیں اور اس کے لیے اپنے کیمیکل ہوتے ہیں۔ اب تو ہر ایک آدمی کے دس دس جوڑے ہیں، جب پاکستان بنا تو ہمیں وہ وقت یاد ہے ایک جوڑا کپڑے ہوتے تھے اور پھر جو ذرا آسودہ حال ہوتے تھے ان کے دو جوڑے ہوتے تھے بس......، اور اس سے پہلے کا دور تو مجھے یاد نہیں ہے۔ جس وقت اپنے علاقے کے سوت کو کاتتے پھر علاقے کی کھڈی پر کپڑا بنتا تھا تو جس وقت کپڑا بننے کے عمل میں ہوتا تو ایک آدمی کا جوڑا دوسرا مانگ لیتا تھا۔ پہلے زمانے کے لوگ کپڑوں کو رنگ کرتے تھے تاکہ پھر استعمال کے قابل ہو جائیں، اب تو ماشاء اللہ کہتے ہیں بہت تنگدستی ہے تین تین چار چار کھانے دسترخوان پر پڑے ہوتے ہیں اور کپڑوں کے اتنے جوڑے ہوتے ہیں پھٹتے بھی نہیں، آخر سیکنڈ ہینڈ کے طور پر بیچتے ہیں۔ تو وہاں دیہات میں رنگ لگا کے پھٹکڑی کے پانی میں ڈبوتے تھے تو پھر وہ رنگ کافی عرصہ کے لیے پکا ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی باطل کا جو رنگ چڑھتا ہے وہ بھی پکا ہو جاتا ہے۔ یہ مولوی سمیع اللہ صاحب جب آیا تھا تو بڑے بڑے اس کے بال بنے ہوئے اور گالیاں دیتا تھا اور نعرے لگاتا تھا ۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ یہ مجذوب اور نیم پاگل فقیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اس کا اثر ہے، اگر ہمارے سلسلے کا رنگ اس نے لینا شروع کیا تو سب سے پہلے زلفیں ہٹائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن آیا تو اس نے زلفیں ہٹائی ہوئیں تھیں تو ساتھیوں نے کہا ڈاکٹر صاحب ''تا رختیا ویلے وؤ چہ آخبرہ شوے دہ'' (آپ نے سچ کہا تھا وہی بات ہوئی ہے)، میں نے کہا کہ اب ذرا اس کے ہوش بحال ہو رہے ہیں تو اس کی زلفیں ہٹی ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ دوسرے درجے پر یہ گالیاں چھوڑے گا پھر کچھ دن گزرے تو ساتھیوں نے کہا کہ " اوس کنزلے نہ کئی " (اب گالیاں نہیں دیتا)، تو میں نے کہا کہ ہاں اب یہ اور ہوش میں آ رہا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ جب پورے ہوش میں آئیگا تو اس کے نعرے بند ہوں گے پھر اس کے نعرے بھی کم ہوئے۔ پھر ساتھیوں نے کہا کہ عالم ہے، دورۂ حدیث کیا ہوا ہے دورۂ تفسیر کیا ہوا ہے تو اس کو سلسلے کا کامل فیض ہو جائے ، میں نے کہا کہ اس کے مکمل فیض ہونے کے حالات نہیں ہیں کیونکہ یہ جو فلاں مولانا صاحب کے ساتھ بیٹھا ہے تو اس کا جو فیض لینے کا خانہ تھا وہ بھر گیا ہے اب اس میں ہماری کشیدہ کاری کی گنجائش نہیں رہی ہے بس اتنا ہی

اس کا ہوسکتا تھا اس کے بعد اور نہیں ہوگا۔ یہ نوجوان جو دین پر چل رہے ہوں تو ان کا رنگ کچہ اور عارضی ہوتا ہے، گمراہی اور فسق وفجور میں ہوں تو عارضی اور کچا ہوتا ہے اور اللہ فضل فرما دیں اور صحیح ماحول میں آدمی آجائے تو اللہ فضل فرماتا ہے صحیح رنگ آجاتا ہے اور پکا ہوجائے تو پھر زائل نہیں ہوتا۔ اس لیے تصوف کی کتابوں کا مسئلہ ہے کہ وصول کے بعد رد نہیں ہے، ''اکابر کا سلوک واحسان'' میں لکھا ہے کہ نسبت اتحادی کبیرہ گناہ کے ہونے کے باوجود ٹوٹتی نہیں ہے نسبتیں، انعکاسی، القائی، اصلاحی اور اتحادی ہیں۔ اللہ کا تعلق چار پہلوؤں پر ہے اس کے چار رخ ہیں، جس طرح آپ لوگ catagorization اور classification کرتے ہیں۔ تو نسبت چار قسم پر ہے، ایک کو انعکاسی کہتے ہیں ایک کو القائی، ایک کو اصلاحی کہتے ہیں ایک کو اتحادی کہتے ہیں۔ انعکاسی عکس سے ہے، جب آدمی کسی کامل کے پاس بیٹھتا ہے اس کی صحبت میں آتا ہے تو اس کے باطن پر عکس پڑتا ہے۔ آپ آئینے کو دیکھیں کہ اس میں بڑی خوبصورت تصویر لگی ہوئی ہے ماشاء اللہ خوب موچھیں اور خوب رنگ وروغن، صحت مند آدمی ہے، تو کوئی بچہ ہو تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ تصویر لگی ہوئی ہے، لیکن سمجھدار آدمی کو پتہ ہوگا کہ آئینے کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہے اور اس کا عکس اس میں آرہا ہے اور وہ جوں ہٹا تو عکس زائل ہوجائیگا۔ ایسے نسبتِ انعکاسی میں آدمی پر کسی کامل کے پاس بیٹھنے اٹھنے سے عکس آیا ہوا ہوتا ہے، اور بعض اوقات نسبتِ انعکاسی کے حالات پورے کامل کی طرح ہوتے ہیں لیکن ہوتے عارضی ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس اسلامیہ کالج کے چار طلباء بیٹھتے تھے تو میں نے دیکھا تو ان چاروں کو نسبتِ انعکاسی حاصل ہوگئی ہے، انھیں میں سے ایک رہتا بھی میرے پاس تھا اور تین دوسرے ہاسٹلوں میں رہتے تھے۔ جو میرے پاس رہتا تھا تو اسکو جب ذکر اذکار اور دینی مجلس میں کیفیت اور تعلق مع اللہ محسوس ہوا تو بڑا خوش ہوا، اس کا خیال ہوا کہ ہم بھی کامل ہوگئے ہیں۔ یہ ایک عارضی حال ہوتا ہے جس سے ناقص یوں سمجھنے لگتا ہے کہ میں کامل ہوگیا ہوں اور پہنچ گیا ہوں لیکن جوں آدمی ماحول سے ہٹا تو وہ حال زائل ہوتے ہوتے پھر ختم بھی ہوجاتا ہے۔ وہ یہاں سے کراچی چلا گیا اور جوں ماحول بدلا تو آہستہ آہستہ ساری باتیں یہاں تک کہ شرعی شکل وصورت سے بھی بے چارا فارغ ہوگیا۔ ہمارے پاس ایک میڈیکل کالج کا طالب علم رہتا تھا، ہاسٹل میں میرا وارڈ تھا، ایک دفعہ اتفاقاً غلطی سے میرے زبان سے یہ بات نکل گئی کہ کامل ہونے کے بعد فنائے کلی کا ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اس میں اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی کی کسی چیز پر نظر پڑتے ہی اسکا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہوجاتا ہے، ایسے آدمی جو ہوتے ہیں ان کی نظر نظرِ شہوت نہیں ہوتی بلکہ نظرِ عبرت ہوتی ہے۔ بعض اوقات

انعکاسی حال والا آدمی یوں سمجھنے لگتا ہے کہ کہیں ہم بھی اسی زمرے میں ہوگئے ہیں۔ڈاکٹر صاحب سمجھے کہ کہیں ہم بھی ان لوگوں میں ہوگئے ہیں اوراب ہمیں بھی نقصان نہیں ہوتا،تو ہاسٹل اس کا بدلا دوسرے ہاسٹل والوں سے کہا کہ ٹیلی ویژن دیکھنے سے مجھے نقصان نہیں ہوتا،الحمدللہ نظر کا رخ شہوت سے بدل گیا ہے۔بس اللہ کی شان کہ کچھ عرصہ مہینہ دومہینہ مجلس سے علیحدہ ہوا،پھر آیا تو دیکھا کہ سارا اثر زائل ہوگیا،ساری نورانیت جوتقویٰ کی آئی تھی زائل ہوگئی۔حضرت شیخؒ (مولانا زکریاؒ) نے دوواقعات اپنی آپ بیتی میں بڑے عجیب لکھے ہیں۔حضرت شیخؒ نے ایک واقعہ ایسے لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے کہ ان کا جومرید آئے اس کو چومتے تھے،کوئی بوڑھا آیا ہے،کوئی کالا کلوٹا آیا ہے یا کوئی خوبصورت آیا ہے جیسا بھی آیا ہے اسے دل کی ایک محبت اورشفقت کی وجہ سے چومتے تھے۔خانقاہ میں ایک ماسٹر قسم کا مرید تھا اس نے جو دیکھا کہ ماشاء اللہ بزرگوں کے ہاں بڑے مزے ہیں تو اس نے بھی جو آئے اسے چومنا شروع کر دیا۔تو بزرگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ جذبۂ نفسانیت سے کر رہا ہے اورانھیں فکر ہوئی کہ اس کی اصلاح کیسے کریں گے؟ تو ایک دن وہ ان کے ساتھ جا رہا تھا آدمی تو بڑا کام کا تھا،خدمت ٹھیک کرتا تھا ایک اس میں یہ کوتاہی پیدا ہوگئی تھی۔ایک دفعہ اس کو ساتھ لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک لوہار نے بھٹی میں لوہا گرم کیا ہوا تھا اورسندان پر کوٹنے کے لیے رکھا تھا،تو یہ بزرگ گئے اورانھوں نے اس گرم لوہے کو چوما،پھر مرید سے فرمایا کہ برخوردار آؤ اس کو چومو! توبہ میں اس کو کیسے چوموں گا،توانھوں نے کہا کہ جب تک اس لوہے کو نہیں چوم سکتے تب تک ہمارے مریدوں کو نہیں چوموگے۔دوسرے بزرگ کا واقعہ حضرت شیخؒ نے لکھا ہے آپ بیتی میں کہ وہ ضعیف تھے عمر زیادہ ہوگئی تھی تو مرید آکر ان کے پاؤں دباتے تھے،ڈاکٹر صاحبان کو پتہ ہی نہیں کہ سر کی مالش کرنے اور بدن کو دبانے سے صحت،بلڈ پریشر،اور خاص طور سے ٹینشن پر اثر پڑتا ہے اوراس کا بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ہم نے تو اللہ کا احسان ہے کہ بزرگوں کی خدمت کی ہے دبانے کا ایسا طریقہ ہوتا ہے کہ سارا بدن **relax** ہوجاتا ہے ایسا طریقہ ہے کہ سارا بدن چست ہوجاتا ہے اورآدمی کام کرنے کے لیے کھڑا ہوجاتا ہے،ایک طریقہ دبانے کا ایسا ہے جس سے آدمی کو نیند آجاتی ہے۔تو اس میں وہ جو ماسٹر مرید تھا اس نے دیکھا کہ اس میں بڑے مزے ہیں کہ نوعمر لڑکے آتے ہیں اورحضرت صاحب کے مرید ہوتے ہیں تو ان کو دباتے ہیں،یہ تو بڑا مزہ ہے۔تو اس نے بھی اپنے ٹانگیں دبوانا شروع کرادیں تو ایک دن سردیاں تھیں،حضرت لیٹے ہوئے تھے انگیٹھی میں آگ جل رہی تھی تو حضرت صاحب نے اپنا پیر آگ میں رکھا اور پھر مرید سے کہا کہ آؤ برخوردار ذرا پیر اپنا آگ میں رکھو۔تو اس مرید

صاحب نے کہا توبہ...... میں آگ میں کیسے پاؤں رکھ سکتا ہوں؟ تب حضرت نے اُسے تنبیہ کی کہ جب تک پیر آگ میں نہیں رکھ سکتے اس وقت تک کسی سے پیر نہیں دبواؤ گے۔ ایک اٹک کے بزرگوں کا واقعہ ہے جو وہاں کے لوگوں میں مشہور ہے وہاں ایک بزرگ تھے جو لوہار کا کام کرتے تھے، پرانے زمانے میں چرخے ہوتے تھے چرخے میں لوہے کی ایک سلاخ (تکلہ) ڈالتے ہیں اس کو پشتو میں ''ڈوک'' کہتے ہیں، ہمارے گھر میں ہماری دادی صاحبہ کا چرخہ ہوتا تھا لیکن اب اس کا استعمال ہی ختم ہو گیا کیونکہ اس زمانے میں اپنے علاقے کی کپاس کو کاتنا ہوتا تھا کپڑوں کے لیے اور گرم کپڑا بُننے کے لیے اپنی بھیڑ کی اُون کو کاتنا ہوتا تھا۔ تکلے کی شرط ہے کہ وہ سیدھا ہو اس میں معمولی ٹیڑھا پن آ جائے تو دھاگہ توڑ دیتا ہے، اس لیے اس چرخے پہ چھ سات دن مسلسل کام کرنے کے بعد عورت کو پتہ چل جاتا ہے کہ اب اس کا ٹیڑھا پن اتنا ہو گیا ہے کہ اب دھاگے کو کاٹے گا۔ لہٰذا اس کو اب لوہار کے پاس لے جانا ہو گا، جو اس کو آگ میں رکھتا ہے نکالنے کے بعد اس کو سندان پر کوٹتا ہے، پھر بڑے غور سے آنکھ کی سیدھ میں کر کے دیکھتا ہے۔ ہمارے علاقے میں ایک محاورہ ہے کہ تمھاری ایسی پٹائی کروں گا کہ تکلے کی طرح سیدھا کر دوں گا۔ ایک ہندو لڑکی تھی وہ ان بزرگوں کے پاس اپنا تکلہ ٹھیک کرانے کے لیے لائی، بڑی خوبصورت لڑکی تھی انھوں نے تکلہ آگ میں رکھا اور اس لڑکی کی طرف جو دیکھا تو اس کو دیکھتے ہی رہ گئے اور محویت ہو گئی، جس طرح کہ آپ لوگوں کو کلاس میں محویت ہو جاتی ہے۔ اب اس کو مسلسل دیکھ رہے ہیں، لوگوں کو اعتراض ہوا۔ کہتے ہیں وہ آدمی بزرگ ہی نہیں جس پر اعتراض کرنے والے نہ ہوں جس کے مخالف نہ ہوں تو لوگوں نے کہا واہ جی واہ کیا خوب بزرگ بنے ہوئے ہیں اور لڑکی کو بھی دیکھ رہے ہیں، جب ان کو لوگوں کے اعتراض پر آگاہی ہوئی تو انھوں نے وہ سرخ تکلہ آگ سے نکالا اور دونوں آنکھوں میں سلائی کی طرح پھیر دیا، جب وہ بجھ گیا تو انھوں نے تکلے کو نیچے رکھا اور انکھیں کھولیں، آنکھیں ٹھیک ٹھاک تھیں۔ خیر یہ تو لوگوں کے سامنے کرامت کا ظہور ہوا، جو خاص مرید تھے انھوں نے کہا حضرت صاحب بات کیا ہو گئی تھی؟ انھوں نے کہا اس لڑکی کی طرف جب میں نے دیکھا تو اس کے حسن و جمال سے ذات ذوالجلال کی طرف توجہ ہوئی۔ تمہارا خیال ہو گا کہ میں اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں لیکن میری نظر اس پر نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اللہ تعالیٰ کی صناعی میں محویت ہو گئی تھی۔ تو اس محویت میں میرا وقت گزرا، اس عورت کو دیکھنے میں نہیں گزرا۔ نسبتِ انعکاسی والے کا حال بعض اوقات کامل کی طرح ہوتا ہے اور اس کا خود بھی خیال ہوتا ہے کہ میں پہنچ گیا ہوں لیکن یہ عارضی ہوتا ہے اور ماحول سے ہٹ جانے کے بعد وہ زائل ہو جاتا ہے اور آدمی پھر اسی

جگہ پر آجاتا ہے جہاں پہلے تھا۔ جیسے آپ کی گاڑی بند ہوگئی ہو اس کو آپ دھکا دے کر چڑھائی پر چڑھاتے ہیں، جب چڑھائی پر چڑھا دیں لیکن جوں چھوڑا وہ لڑھک کر نیچے آجائے گی اور اگر پیچھے پتھر رکھ دیں تو وہ وہاں کھڑی ہو جائیگی اور پھر نہیں لڑھکے گی۔ انعکاسی نسبت والے آدمی کا لڑھکنے کا حال ہوتا ہے اور لڑھکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور نسبت القائی جیسے چراغ جلا کر کسی کو دے دیا جائے، جلا ہوا چراغ جل رہا ہے روشنی دے رہا ہے لیکن دو باتوں کی اس کو ابھی بھی ضرورت ہے، ایک اس کی لو اور شعلے کو ہوا سے بچائیں گے اور دوسرے اس کے اندر تیل باقاعدہ ڈالتے جائیں گے، تیل ڈالنا بند کیا تو بجھ جائے گی زور کی ہوا لگی تو بجھ جائے گا۔ تو نسبتِ القائی کا جو تعلق ہوتا ہے وہ ایک کمزور سا تعلق ہوتا ہے جس کو باقاعدہ تیل دینا اور ہوا سے بچانا ہوتا ہے ورنہ بجھنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ہوا سے بچانا یہ گناہ سے بچانا ہے اور تیل ڈالنا جو اعمال واذکار مشائخ نے بتائے ہوتے ہیں ان کو باقاعدگی سے کرنا ہوتا ہے، ان میں اگر کمی کی تو بجھنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اصلاحی نسبت کہتے ہیں جیسے کسی بڑے دریا سے نہر نکال لینا۔ اس میں بہر حال کیچڑ آنے کا خطرہ ہوتا ہے اس کو باقاعدہ صاف کرتے رہنا ہوتا ہے، اس کو بھل صفائی کہتے ہیں۔ بھل صفائی اگر نہ کریں تو دوسرے سال کم پانی چلے گا تیسرے سال اور کم، اور چوتھے سال نہر بند ہو جائے گی۔ تو نہروں کی بھل صفائی ضروری ہوتی ہے اس کے بغیر چلتی نہیں ہیں۔ دریا سندھ ہزار ہا سال سے چل رہا ہے اور کوئی بھل صفائی نہیں ہوئی اور چل رہا ہے، اس میں اگر کوئی پہاڑ گر جائے تو اُس نے تو ختم ہونا ہوتا ہے دریا نے رکنا نہیں ہوتا۔ یہی مثال نسبت اتحادی کی ہے کہ نسبتِ اتحادی میں آدمی سے کبیرہ گناہ ہو جانے کے بعد بھی اللہ کا تعلق نہیں ٹوٹتا۔ ہے تو عجیب بات۔ اس بات کو شیعوں نے یہ بنا دیا ہے کہ آیت اللہ عظمیٰ جو ہوتا ہے وہ اگر گناہ بھی کرے تو اس کے لیے جائز ہے نعوذ باللہ من ذالک، یہ شیعوں کے پاس جتنی باتیں ہیں ان کی بنیادیں وہ قرآن وحدیث سے بیان کرتے ہیں لیکن سب کو انھوں نے اپنی نفسانیت سے بگاڑا ہے۔

بعض اوقات باوجود گناہ اور معصیت کے کیفیتِ رقت وسوز وگداز زائل نہیں ہوتی اس کو غیر محقق آدمی یوں سمجھتا ہے کہ ہمارے باطن پر اثر نہیں آیا۔ یہ دراصل نفسانی کیفیات ہوتی ہیں جو بنیادی طور پر مقبولیت اور رضائے الٰہی کی علامت نہیں ہوتی ہیں۔ اس طرح کی کیفیات گناہ اور معصیت کے ساتھ باقی رہیں تو یہ شیطانی اثرات ہوتے ہیں کیونکہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے مانگ کے قوت تصرف اور قوت تلبیس حاصل کی ہوئی ہے، چنانچہ بعض لوگ اس کے اتنے قریبی ہوتے ہیں کہ ان کی مدد کے لیے انسانی شکل میں متشکل ہو کر آتا

ہے جس طرح کہ ابو جہل کی مدد کے لیے بدر کی جنگ میں آیا ہے۔ بنی ثقیف کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا ہوا تھا اور بدر کی جنگ میں مشورے دے رہا تھا۔ شیطان کا مشاہدہ اور کشف بہت زیادہ ہے۔ جس طرح کہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں اسی طرح اولیاء الشیطان بھی ہوتے ہیں۔ اولیاء الشیطان کا جملہ قرآن مجید میں آیا ہوا ہے۔

شیطانی تصرفات کو سمجھنے کے لیے اسود عنسی کا عجیب واقعہ ہے۔ یہ اسود عنسی ایک جھوٹا داعی نبوت تھا اس کے ساتھ شیطان کی ایسی استدراجی مدد تھی کہ اس کو قتل کرنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں صحابہ کرام کو بھیجا، صحابہ کرام قتل کرنے کے لیے گئے تو ان کا منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکا اور وہ گرفتار ہوگئے، جب گرفتار ہوگئے تو اس نے ان کو بلایا اور ایک لائن میں بکریاں، گائیاں وغیرہ مویشی کھڑے کئے اور ایک ڈنڈا لیا اور ان مویشیوں کے سامنے ایک لکیر کھینچی جس سے ان کی گردنیں کٹ کر وہ جا گریں۔ پھر صحابہ کرامؓ کی طرف مڑا اور کہا کہ اب ایک لکیر تم پر بھی کھینچوں......تو انھوں نے کچھ مصلحت آمیز جملے کہہ کر اپنے آپ کو بچالیا۔ اس کو جب اندازہ ہوگیا کہ اب یہ میرے رُعب میں آگئے ہیں تو اس نے کہا کہ اچھا بس ٹھیک ہے اب ان کا گوشت چمڑا وغیرہ اتارو، گوشت کاٹو اور تقسیم کرو۔ پھر صحابہؓ نے دوسری منصوبہ بندی کی۔ دراصل ایمان کو اس سطح تک رکھنا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی ایسا عجیب کارنامہ میں بھی کرتا ہو لیکن اس کی ظاہری نماز روزہ ظاہری شریعت درست نہ ہو اس کی عقائد درست نہ ہوں تو تعلق مع اللہ والا نہیں ہوسکتا، اس حد تک ایمان کو بلند رکھنا ہوتا ہے۔ اس اثناء میں یہ ظالم اسود عنسی ایک صحابی کی بہن کو بھگا کر لے آیا، صحابہ کو پتہ چلا کہ اس طرح کا واقعہ ہوگیا ہے تو انھوں نے منصوبہ بندی کے تحت اسود عنسی سے کہا کہ ہمیں بہت بڑا اعزاز حاصل ہوگیا ہے کہ حرم نبوی میں ہماری ایک بہن بھی داخل ہوگئی ہے، تو وہ بڑا خوش ہوا۔ اب صحابہؓ نے اس عورت سے رابطہ کیا اندر کے حالات معلوم کئے تو اس نے ان کو کہا کہ اس کا جو محل ہے اس کی فلاں جگہ میں آپ کو بتادیتی ہوں وہ کمزور ہے، وہاں سے آپ دیوار توڑ کر اندر داخل ہوسکتے ہیں، اور رات کو یہ اتنی شراب پی لیتا ہے کہ دھت ہوجاتا ہے اور اس کے ہوش وحواس اُڑ جاتے ہیں، اس وقت اگر آپ لوگ آگئے اور اس جگہ سے دیوار توڑ کر اندر داخل ہوگئے تو اسلحہ میں نے رکھا ہوا ہوگا اس سے اس کو قتل کردینا۔ تو صحابہ کہتے ہیں ہم اس جگہ سے دیوار توڑ کر داخل ہوگئے لیکن جب ہم کمرے میں اندر اس کی طرف بڑھے تو اس کو شیطان نے جگا دیا اور یہ بڑبڑ کرتا ہوا اٹھا۔ کہتے ہیں ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ بڑبڑ کرتا ہوا اٹھ تو گیا ہے لیکن اس کے ہوش وحواس بحال نہیں ہیں لہٰذا ہم اس پر وار کرنے کے لیے ہم آگے بڑھے تو یہ پھر گر گیا نشے میں جب گرا تو ہمیں اس کا سر مل رہا ہے اور نہ گردن، شیطان نے

تصرف کر کے اس کا سر اور گردن چھپا لیے۔ دعائیں مانگیں یہاں تک کہ شیطان کا اثر زائل ہوا اور اس کی گردن نظر آئی، کہتے ہیں ہم آگے بڑھے اور تلوار ماری اور اس کی گردن کو کاٹا۔ وہ اتنا قوی آدمی تھا کہ اس کے بڑبڑانے سے اتنا شور ہوا جس طرح کہ مضبوط بیل کو ذبح کرتے ہیں۔ شور سن کر اس کے گارڈ آئے انھوں نے کہا کہ کیا ہو رہا ہے؟ تو صحابہ کرام کہتے ہیں ہماری بہن نے کہا کہ فکر نہ کرو نبی پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ گارڈ تو چلے گئے صحابہؓ نے اس کی گردن کاٹی اور کاٹ کر باہر لے آئے اور قلعے کی دیوار سے اس کو باہر پھینکا اور اس کے جو مرید اور گارڈ وغیرہ تھے ان سے کہا کہ یہ لو اپنے نبی کا سر۔

چنانچہ جنگ بدر میں جب شیطان نے فرشتوں کا نزول دیکھا تو بھاگنے لگا۔ سورہ آل عمران کی آیت ہے

اِنِّیٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ ط (الانفال:۴۸)

ترجمہ: میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں (مراد فرشتے) میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔

تو ابوجہل وغیرہ نے کہا کہ اتنے اہم آدمی ہو اور اتنے زبردست مشورے دے رہے ہو بھاگ کہاں رہے ہو؟ اس نے جواب میں کہا میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، اِنّی اخاف اللّٰہ، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اب تو فرشتے آگئے اب کوئی ترکیب چلنے کی نہیں۔ تو میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا کہ جو نسبتِ اتحادی ہے وہ کبیرہ گناہ سے ختم نہیں ہوتی۔ نسبت اتحادی والے کا گناہ غلط فہمی سے ہو سکتا ہے اور بعض اوقات غلطی سے بھی ہو سکتا ہے لیکن معاً اس کو توبہ تائب ہونے کی اور گڑگڑانے کی اور اللہ کے حضور عاجزی کرنے کی اور گناہ معاف کرانے کی ایسی توفیق ہو جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے گناہ معاف ہو کر تعلق بحال رہ جاتا ہے اور اس کے بعد یعنی اس کو توبہ کی وجہ سے اس کے قرب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ ایسا نہیں ہے کہ آدمی کسی ایسی جگہ پر پہنچ جاتا ہے کہ گناہ کرنا اس کے لیے جائز ہو جاتا ہے جیسے کہ شیعوں نے اس کو کر دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

خدمت خلق اور سرکاری نوکری

لیکچرر الطاف حسین

حضرت ڈاکٹر فدا صاحب حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی خدمت میں ان کی خانقاہ واقع لنڈی ارباب (پشاور) میں حاضر تھے۔ حضرت موصوف حضرت ڈاکٹر فدا صاحب کے پیرومرشد حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخِ ثالث تھے، اتنے میں ایک بیوروکریٹ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت بندہ کو کوئی ورد وظیفہ تعلیم فرماویں، حضرتؒ نے جواباً فرمایا ''سرکاری کام خدمتِ خلق کی نیت سے کیا کرو۔''

ڈاکٹر سید ناصر شاہ

ضرورت صحبتِ کاملین

تقریباً ایک ماہ پہلے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، مجلس میں سلسلے کے اور بھی ساتھی موجود تھے۔ حضرت صاحب نے ڈاکٹر طارق صاحب کا حال احوال پوچھا، پھر طارق صاحب کی نوکری کے بارے میں بات ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ Basic Sciences والوں کی نوکری بڑی آرام والی اور پرُسکون ہوتی ہے، اس پر بے ساختہ میرے منہ سے نکلا کہ بات درست ہے، ہم Clinical Sciences والے تو سارا دن مریضوں کے ساتھ مغز ماری میں لگے رہتے ہیں۔ میری اس بات کا حضرت صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ بات حضرت صاحب کو پسند نہیں آئی اور فوراً دوسرے لمحے خود بخود اس کا جواب میرے دل میں آ گیا کہ اگر میں سارا دن مریضوں کے ساتھ اپنے آپ کو تھکاتا ہوں تو مجھے اس کا معاوضہ تنخواہ کی صورت میں ملتا ہے، میں کسی پر احسان تو نہیں کرتا۔ مجھے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی خدمت کا موقع دیا ہے اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے اور مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ اس بات کی قدر نہ کرتے ہوئے تو میں کفرانِ نعمت میں مبتلا ہوں۔

جس بات کا احساس مجھے بڑے عرصے سے نہیں ہوا تھا حضرت کے ایک لمحے کی خاموشی نے سب کچھ مجھ پر واضح کر دیا، واقعی کاملین کی صحبت میں وہ نادر موتی نصیب ہوتے ہیں جو کسی یونیورسٹی میں یا سکالرز کی تقاریر سے حاصل نہیں ہو سکتے، کاملین کی صحبت سے انسان کے اندر کے زہر (رذائل) کا تریاق ہو جاتا ہے۔ اس سے مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو فضائلِ صدقات میں درج ہے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی طرطوس میں (جو ملک شام کا ایک شہر ہے) جمع ہو کر باہر جا رہے تھے چلتے ہوئے ایک کتا بھی ہمارے ساتھ ہو گیا، جب ہم شہر سے باہر نکلے تو ایک مرا ہوا جانور پڑا تھا، ہم لوگ اس سے بچ کر ذرا فاصلہ سے ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ وہ کتا جو ہمارے ساتھ ہو گیا تھا اس نے جب اس مردار کو دیکھا تو وہ شہر کی طرف واپس ہو گیا، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ اپنے ساتھ تقریباً بیس کتے اور لایا اور اس مردار کے پاس آ کر وہ خود تو علیحدہ بیٹھ گیا اور سب کتے اس مردار کو کھاتے رہے جب وہ سب کھا کر شہر کی طرف چلے گئے تو یہ کتا جو بلانے گیا تھا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پاس آ کر جو ہڈیاں وغیرہ وہ سب کھا کر چھوڑ گئے تھے ان کو اس نے کھایا اور پھر شہر کی طرف چلا گیا۔ یہ ان بزرگوں کی تھوڑی دیر کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ کتے جیسا جانور جو کھانے کی چیزوں پہ لڑنے کے لیے مشہور ہے

، ایثار کا نمونہ بن گیا۔ آج دنیا کی مثال مردار کی سی ہے اور ہماری مثال کتے جیسی ، اگر بزرگوں کی صحبت سے ہم میں اس کتے کے بقدر ایثار کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی اور ہم اللہ کے ہاں مقبول ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ "۹" سے)

اور صحت یابی کے لئے پرہیز بتاتا ہے۔ صرف طے کر لینے کی بات ہے، ٹھاننے کی بات ہے۔ ایمان بڑھتا ہے محنت سے۔ جیسے مٹی کا دیا ہو اس میں تیل و بتی درست ہو تو جتنا تیل زیادہ اور صاف ہو گا اُتنی ہی روشنی زیادہ ہو گی۔ خدا کی معرفت کے لئے نیک اعمال اور تقویٰ تیل کی مانند ہیں۔ نیک اعمال اور تقویٰ سے اس دُنیا میں بھی چین و سکون اور فرحت نصیب ہو گی۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو دولت اہلِ دین اور اہل اللہ کے پاس ہے اگر دُنیا کے بادشاہوں کو اس کا پتہ چل جائے تو وہ ان پر فوج کشی کر دیں۔ دُنیا میں کیا رکھا ہے؟ جو کچھ ہم حاصل کرتے ہیں وہ اس لئے کہ دل کا سکون و چین ملے۔ دل کا سکون و چین اللہ کی محبت و پیار اور تعلق سے آتا ہے۔ اللہ ہم کو بھی توفیق دے۔ اللہ کا تعلق و محبت اہلُ اللہ کی صحبت سے میسر آتے ہیں دل دل سے بنتا ہے۔ اللہ کے تعلق کو لینے کے لیے اہل اللہ کی صحبت کو اختیار کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت انسؓ سے ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے انس ! اگر تو غسل جنابت بہت خوبی کے ساتھ کرے گا تو بلا شبہ نہانے کی جگہ سے اس حال میں جدا ہو گا کہ کوئی گناہ اور خطا تجھ پر باقی نہ ہو گا (یعنی صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے)۔

حضرت انسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! خوبی کے ساتھ غسل کس طرح کیا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.... بالوں کی جڑوں کو تر کرے (کہ کسی بال کی جڑ خشک نہ رہ جائے) بدن پر پانی ڈال کر خوب مَل کر صاف کرے (کہ کہیں سوکھا رہنے کا احتمال نہ ہو)، پھر شفقتاً فرمایا اے میرے پیارے بیٹے ! اگر تجھ کو ہر وقت باوضو رہنے کی طاقت ہے تو ایسا (ہی) کر (کیونکہ) جس کو باوضو ہونے کی حالت میں موت آئے تو اس کو شہادت (کا ثواب) مرحمت ہو گا۔ (ابویعلی)

☆☆☆☆☆

ثاقب علی خان

فراستِ مؤمن

سُلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۱۰۷۰ء میں ''ملاذ گرد'' کے مقام پر جنگ میں قیصرِ روم رومانس دیو جانس (Romanus Diogenes) کو زخمی حالت گرفتار کرلیا اور پھر اسے اپنا باجگزار بنالیا (جو کہ مشرق میں مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے قسطنطنیہ سے اس شان سے نکلا تھا ایک لشکرِ جرار کے علاوہ جنگل کاٹنے والوں، راستہ ہموار کرنے والوں اور فصیلوں میں نقب لگانے والوں کی تعداد بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی اور قیصر روم اوراس کے جرنیلوں کو اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ وہ کھلم کھلا کہتے تھے کہ آئندہ موسم سرما ہم سلجوقیوں کے پایۂ تخت ''رے'' میں گزاریں گے اور گرما کا موسم عراق میں اور پھر واپسی میں شامی علاقوں کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے گھر لوٹیں گے)۔

سلطان الپ ارسلان کے بعد جب اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی تخت نشین ہوتے ہی مصائب کے ہجوم میں گھِر گیا تو اُس وقت کے قیصرِ روم کی باسی کڑھی میں اُبال آیا اور اُس نے سلطان ملک شاہ کی مشکلات سے فائدہ اُٹھانے کی ٹھانی۔ چنانچہ وہ ایک زبردست فوج کے ساتھ ایران میں داخل ہوگیا اور سرحد کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ اِس اثناء میں ملک شاہ نے بڑی حد تک اپنی مشکلات پر قابو پالیا تھا، اُس نے رومی افواج کی نقل و حرکت کی خبر سُنی تو فوراً ایک لشکرِ گراں لے کر اُس کے مقابلے کے لیے بڑھا اور ہفتوں کی منزلیں دنوں میں طے کر کے رومی لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوگیا۔ اُس کی اچانک آمد کی خبر سُن کر قیصر پر سراسیمگی طاری ہوگئی کیونکہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ ملک شاہ اِسقدر جلد اُسکے سر پر آپہنچے گا۔ اب اُس نے مصلحت اِسی میں دیکھی کہ اپنی افواج کی نقل و حرکت کیلئے کوئی بہانہ تراشے اور سُلطان سے اپنی اطاعت کا اظہار کرے۔ چُنانچہ اُس نے ملک شاہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کے عالی قدر والد سے ہمارے جو مراسم تھے ہم اُن کی تجدید کرنا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے اطاعت گزار ہیں، مقررہ خراج برابر آپ کی خدمت میں بھیجتے رہیں گے۔

ملک شاہ کو قیصر کی حرکت پر بڑا غصہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس کی قرار واقعی گوشمالی کی جائے چُنانچہ اُس نے قیصر کو سخت جواب بھیجا۔ قیصر نے اِس کے جواب میں اور بھی عجز کا اظہار کیا، ابھی نامہ و پیام جاری تھا کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سُلطان ملک شاہ کو شکار کا شوق جنون کی حد تک تھا یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی اُسے موقع مِل جاتا تو شکار پر نکل کھڑا ہوتا۔ چُنانچہ انہی ایّام میں وہ ایک دِن چند سپاہیوں کے ہمراہ شکار

کے لئے نکل گیا۔ رومی لشکر بڑے وسیع علاقے میں پھیلا ہوا تھا، بدقسمتی سے سُلطان رومیوں کے ایک دستے کے گھیرے میں آگیا اور وہ سُلطان سمیت سب سواروں کو گرفتار کر کے اپنے لشکر میں لے گئے۔ سُلطان اُس وقت معمولی لباس میں تھا اس لئے رومی اُسکو معمولی تُرک سپاہی سمجھے۔ سُلطان نے بھی اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی کہ جب تک ہم رومیوں کی حراست میں ہیں رسمی ادب و تعظیم کو بالائے طاق رکھو اور اپنی کسی حرکت سے ظاہر نہ ہونے دو کہ میں تم میں کوئی امتیازی درجہ رکھتا ہوں۔

اِدھر خواجہ نظام المُلک کو سُلطان کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ سنّاٹے میں آگیا۔ بوڑھا مدبّر بار بار ماتھے پر ہاتھ مارتا تھا اور سوچتا تھا کہ اِس مصیبت سے کیونکر چھٹکارا پایا جائے۔ آخر ایک تجویز سوجھ گئی فوراً چند سوار لشکر سے باہر روانہ کر دیئے اور اُنہیں ہدایت کر دی کہ شام کو اِس انداز سے واپس آنا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو تمہاری واپسی کا عِلم ہو جائے۔ نمازِ مغرب کے بعد جب وہ سوار (گھوڑے دوڑاتے) واپس آگئے تو خواجہ نے لشکر میں منادی کرادی کہ سُلطان شکار سے واپس آگیا ہے اور اُسکے حُکم کے مطابق وہ کل قیصر سے ملاقات کے لئے رومی لشکر گاہ میں جا رہا ہے، چُنانچہ دوسرے دِن وہ علی الصباح سوار ہو کر رومی لشکر میں پہنچا۔ قیصر نے پُرتپاک خیر مقدم کیا اور شاہی خیمے میں لے جا کر بڑی عزت سے بٹھایا۔ پھر اُسکے سامنے بڑی دیر تک سُلطان کی اطاعت کا اظہار کرتا رہا اور آخر میں اُس سے اِلتجاء کی کہ وہ سُلطان سے صُلح کرانے میں اسکی مدد کرے۔ اثناء گفتگو میں اُس نے سرسری طور پر یہ بھی کہہ دیا کہ کل آپ کی فوج کے چند سپاہی ہمارے لشکر میں گُھس آئے تھے، ہمارے آدمیوں نے اُنکو جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا تھا اگر آپ چاہیں تو اُنکو بھی واپسی میں ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ خُواجہ نظام الملک طوسی نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمیں تو اِن لوگوں کے بارے میں کچھ عِلم نہیں ہے، نہ ہم نے کسی کو مخبری کے لئے بھیجا تھا اور نہ ہمارے لشکر ہی میں کسی نے اِنکی گرفتاری کا ذِکر کیا ہے۔ ہاں اِن لوگوں کو آپ ہمارے سامنے پیش کریں تو شاید حتمی طور پر کچھ کہا جا سکے۔ قیصر نے قیدیوں کو خُواجہ کے سامنے پیش کرنے کا حُکم دیا۔ جب وہ خُواجہ کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے اُن پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر کہا کہ یہ تو معمولی سپاہی ہیں، معلوم ہوتا ہے شکار کھیلتے ہوئے رُومی لشکر میں گُھس آئے۔ پھر اُن سے مُخاطب ہو کر کہا ”تم لوگ بڑے احمق ہو کہ آجکل بھی شکار کھیلنے سے باز نہیں آتے اگر رُومی سپاہی قیصر کی لاعلمی میں تمہیں قتل کر ڈالتے تو خُدا جانے حالات کیا صورت اختیار کر جاتے۔ اب میرے ساتھ چلو اور آئندہ میری اجازت کے بغیر کبھی لشکر سے باہر نہ نکلنا۔“ چنانچہ خُواجہ کے حُسنِ تدبیر سے سب قیدیوں کو رہائی مِل گئی اور وہ

اُنکو ساتھ لے کر قیصر سے رُخصت ہوا۔ رُومی لشکر گاہ کی حدُود سے نکل کر وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور والہانہ سلطان ملک شاہ سے لپٹ گیا، اُسکے سر اور منہ پر بوسے دیتا تھا اور کہتا تھا ''میرے آقا میرے فرزند میں بہت شرمندہ ہوں کہ آج آپ کی شان میں گُستاخی کا مرتکب ہوا۔'' سُلطان ہنس پڑا اور کہنے لگا ''پیارے باپ جو کچھ تم نے کیا ایسے موقع پر یہی مناسب تھا۔''

سلطان ملک شاہ کی بخیریت واپسی پر اسلامی لشکر میں بڑی خُوشی منائی گئی۔ قیصر کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو وہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جس بادشاہ کا وزیر ایسا ذکی ہو وہ کسی سے مات نہیں کھا سکتا۔ اس کے بعد اُس نے سُلطان کی تمام شرائط مان لیں اور سلجوقی اقتدار کا حلقہ بگوش ہو کر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

یہ اس دور کی باتیں ہیں جب وزراء نظام الملک طوسی جیسے اہل علم وتقویٰ اور دانشور ہوتے تھے اور ملک شاہ جیسے بادشاہ ہوتے تھے جو انھیں باپ کی طرح سمجھتے تھے۔

☆☆☆☆☆

حضرت امام ترمذی علیہ الرحمۃ جب نابینا ہوگئے تو ایک مرتبہ آپ کو سفر کا اتفاق ہوا۔ راستہ میں ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے اُونٹ پر بیٹھے بیٹھے سر جھکا لیا۔ حمال نے اس کا سبب پوچھا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہاں ایک درخت ہے اس میں ٹکر لگتی ہے۔ حمال نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے۔ آپؒ نے اُونٹ کو وہیں رکوا دیا اور فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے تو میں آج سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں گا۔ اور قریب کے گاؤں میں اول بھیج کر دریافت کیا، اکثر لوگوں نے وہاں درخت کے ہونے سے انکار کیا لیکن گاؤں کے بعض بوڑھوں نے کہا کہ مدت گذری کہ یہاں ایک درخت ہوا کرتا تھا اور تقریباً بارہ برس ہوئے کہ اس کو کاٹ دیا گیا ہے۔ جب اس کی تصدیق ہوگئی تو آپؒ آگے بڑھے۔ (وعظ ''تعلیم البیان'' مولانا اشرف علی تھانویؒ)

☆☆☆☆☆

گفتۂ سعدیؒ

درِ خرّمی بر سرائے ببند   که بانگِ زن ازوے بر آید بلند

ترجمہ: حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ خوشی کا دروازہ اس گھر پر بند سمجھو کہ جس گھر سے عورت کی آواز زور سے باہر نکلے۔ یعنی جس گھر میں ایسی عورتیں ہوں کہ ان کی آواز باہر جاتی ہو اس گھر میں خوشی کی اُمید مت رکھو۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

اہل سنت والجماعت (قسط:۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

مسلمانوں میں ہر دور میں سینکڑوں فرقے پیدا ہوئے لیکن وہ نقش بر آب تھے اُبھرے اور مٹ گئے، لیکن جو فرقہ عموم اور کثرت کے ساتھ باقی ہے اور آج مسلمان آبادی کا کثیر حصہ بن کر اکنافِ عالم میں پھیلا ہے وہ فرقہ ''اہلسنت والجماعت'' ہے۔ عام طور سے اہل سنت کے معنی ہندوستان میں یہ سمجھتے جاتے ہیں کہ جو شیعہ نہ ہو لیکن یہ اس کا اثباتی پہلو نہیں ہے یہ تو منفی پہلو ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی حقیقت کو پوری طرح سمجھا جائے اس لیے ہم کو ''اہلسنت والجماعت'' کے ایک ایک لفظ کے معنی پر غور کرنا چاہیے۔

''اہلسنت والجماعۃ'' تین لفظوں سے مرکب ہے۔ یہاں اہل کے معنی اشخاص، مقلدین، اتباع اور پیرو کے ہیں، ''سنت'' عربی میں راستہ کو کہتے ہیں، اور مجازاً اصولِ مقررہ، روشِ زندگی اور طرزِ عمل کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد دفعہ انھیں معنوں میں آیا ہے فرمایا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلا، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَحْوِیْلا، سُنَّةَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ

ترجمہ: اللہ کی سنت میں تم تبدیلی نہ پاؤ گے، اللہ کی سنت میں تم تبدیلی نہ پاؤ گے، ان کا راستہ جو پہلے گزرے۔

اسی طرح احادیث میں سنت کا جو لفظ آتا ہے، اس کے معنی حضور انور علیہ الصلواۃ والسلام کے اُصولِ مقررہ اور طرزِ عمل کے ہیں، اسی لئے اصطلاحِ دینی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ زندگی اور طریق عمل کو ''سنت'' کہتے ہیں۔ جماعت کے لغوی معنی تو گروہ کے ہیں، لیکن یہاں جماعت سے مراد جماعتِ صحابہؓ ہے۔ اس لفظی تحقیق سے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے، یعنی یہ کہ اس فرقہ کا اطلاق اُن اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات، اعمال اور مسائل کا محور پیغمبر علیہ السلام کی سنتِ صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثرِ مبارک ہے، یا یوں کہیے کہ جنھوں نے اپنے عقائد اور اصولِ حیات اور عبادات و اخلاق میں اس راہ کو پسند کیا جس پر رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام عمر بھر چلتے رہے اور آپ کے صحابہؓ اُس پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچے۔

بدعت: ''سنت'' کا مقابل لفظ ''بدعت'' ہے، بدعت کے لغوی معنی ''نئی بات'' کے ہیں،

اصطلاحِ شریعت میں اس کے یہ معنی ہیں کہ مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جس کی تلقین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو، اور نہ اُن کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشاء ظاہر ہوتا ہو، اور نہ اسکی نظیر اس میں ملتی ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے ان دولفظوں کو انہی معنوں میں مستعمل فرمایا ہے، اور کبھی ''سنت'' کے بجائے ''ہُدیٰ'' اور بدعت کے بجائے ''مُحدث'' فرمایا ہے، لغت میں بھی یہ الفاظ مترادف ہیں ہدی طریقہ کو کہتے ہیں، اور محدث کے معنی ''نیا'' کے ہیں۔

صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا وہ خطبہ مذکور ہے جس کو دیتے ہوئے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں، آواز بلند ہوجاتی تھی، اور لہجہ غضب ناک ہوجاتا تھا۔

اَمّا بعد فان خیرا لحدیث کتاب اللّٰہ و خیرالھَدیٰ ھدی محمد و شرُّالامور محدثاتھا وَ کُلُّ بدعة ضلالة

ترجمہ: بعد اس کے بہترین کلام خدا کا کلام ہے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین اُمور نئی باتیں ہیں، اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔

مسند احمد ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة

ترجمہ: میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ جانشینوں کا طریقہ اختیار کرو، اسکو اچھی طرح پکڑے رہو، اور اسکو دانتوں سے دبائے رہو، ہاں نئی باتوں سے بچنا، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔

ایاکم والمحدثات فان کل محدثة ضلالة ،

ترجمہ: نئی باتوں سے بچنا ہر نئی بات گمراہی ہے۔

اس قسم کی روائتیں حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں۔ ان روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نئی بات کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس کی تفصیل دوسرے موقعوں پر آگئی ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد

ترجمہ: ہمارے اس مذہب میں یا تعلیم میں جو ایسی نئی بات داخل کریگا جو اس میں نہیں تو وہ بات مردود ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

من عمل عملا لیس علیه امرنا فهورد

ترجمہ: جو کوئی ایسا کوئی کام کرے گا جس پر ہمارا مذہب نہیں وہ رد ہے۔

ابوداؤد میں بایں الفاظ ہے: من صنع امراً علی غیر امرنا فهو رد

ترجمہ: جس نے ہمارے عمل یا مذہب کے خلاف کوئی کام کیا وہ رَد ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم دنیا میں لائے، جن عقائد کی تلقین آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو فرمائی، مذہب کا جو طریقہ عمل آپ ﷺ نے متعین فرمایا اس میں باہر سے اضافہ بدعت ہے۔ اس سے بدعت کی حقیقت ظاہر ہوئی اور وہ یہ ہے کہ بدعت دین حق کے اندر کسی ایسی چیز کا باہر سے اضافہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے دین میں نہیں، نہ اس کی اصل موجود ہے اور نہ اس کی نظیر موجود ہے اور نہ وہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے۔ چونکہ دین کے ہر کام میں اجر اور ثواب کا وعدہ ہے اس لیے جب کسی چیز کو دین یا داخل دین سمجھا جائے گا تو اس پر ثواب مرتب ہونا، سمجھنا بھی ضروری ہے اس لیے اگر کوئی چیز بدعت ہو تو یقیناً وہ ثواب سے خالی ہوگی، بلکہ بوجہ اس کے مردود ہونے اور ضلالت ہونے کے اس کے کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ ہی ہوگا۔ اب غور کیجیے کہ مسلمانوں کے عقیدوں میں، اعمال میں، عبادات میں اور غمی اور شادی وتقریبات میں جو مراسم ثواب سمجھ کر ادا کیئے جاتے ہیں وہ کہاں تک موجب ثواب ہو سکتے ہیں۔

اس تشریح سے ظاہر ہوا کہ کسی امر کے بدعت قرار پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اضافہ امورِ دین میں ہو، اگر وہ امور دین سے نہیں ہے تو مذہبی حیثیت سے اس کو بدعت نہیں کہیں گے۔ مثلاً کسی نئی طرز کی کوئی عمارت بنائے، کوئی نئی مشین بنائے یا کوئی نیا آلہ ایجاد کرے، سائنس کے کسی مسئلہ کی نئی تحقیق کرے، کوئی نیا طریقۂ علاج ایجاد کرے وغیرہ۔ بدعت کی پہچان یہ ہے کہ اس کا کرنے والا اپنے اس کام میں ثواب کا اعتقاد رکھتا ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کام میں ثواب یا عذاب کا ہونا عقل سے دریافت نہیں ہو سکتا، اس کی دریافت کی راہ صرف ایک ہے اور وہ وحی نبوی ہے۔

صلاح کے بعد فساد کیسے ہوتا ہے:

کسی قوم میں اصلاح کے ظہور کے بعد فسادِ کار کیونکر راہ پاتا ہے، شارع اسلام علیہ الوف التحیۃ والسلام اس سے بے خبر نہ تھے فرمایا:

ما من بنی بعثه الله الا کان له من امهٖ حواریون، واصحاب یا خذون بسنة ، ویقتدون بامر ہ ، ثم انها تخلف من بعد هم خلوف ، یقولون مالا یفعلون ، ویفعلون مالا یومرون فمن جاهد هم بیدہٖ فهو مومن ومن جاهدهم بقلبهٖ فهو مومن ولیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل (مسلم)

ترجمہ: خدا نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں فرمایا لیکن اس کے چند خاص اتباع اور پیروی کرنے والے بنائے جو اس کی سنت کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے مذہب کی اقتداء کرتے ہیں، پھر ان کے بعد ایسی نسلیں آتی ہیں جو کہتے ہیں....وہ کرتے نہیں اور وہ کرتے ہیں جس کا اُن کو حکم نہیں دیا گیا، جو اُن سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، جو زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اس کے بعد رائی برابر ایمان بھی نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ نبی اپنے معجزانہ اثر اور فیض تعلیم سے اپنے صحبت یافتہ کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے جو اپنے نبی کے طور وطریق اور سنت کی پورے طور پر متبع ہوتی ہے۔ انکے بعد رفتہ رفتہ ایسے افراد اُنکی جگہ لے لیتے ہیں جو اپنے نبی کی سنت اور طور وطریق سے دور ہوتے جاتے ہیں اور وہی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

جماعت کا فلسفہ:

اسلام کے اس قطعی حکم کے بعد کہ صاحبِ شریعت کی تعلیمات اور احکام پر کسی قسم کا اضافہ کرنا یا اُن میں سے کسی جز کو ساقط سمجھنا ''سنت'' کی بیخ کنی اور ''بدعت'' کی پرورش ہے، ''اہل سنت'' کے معنی واضح ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے بعد ''الجماعۃ'' کا لفظ سامنے آتا ہے اسلیے ''والجماعۃ'' کی تفسیر بھی خود صاحبِ شریعت کی زبان سے سن لینی چاہیے۔

اسلام دنیا کے تفرقوں کو مٹا کر تمام دنیا کی ایک عمومی برادری قائم کرنے آیا تھا۔ وہ آیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس نے عرب کے متفرق قبائل کو جو باہم دشمن یا کم از کم نا آشنا تھے، ان کی قبائلی تقسیم کو مٹا کر

صرف ''جامعہء اسلام'' کے ایک رشتہ میں ان کو باہم متحد کر دیا، مہاجرین وانصار میں وہ اخوت پیدا کر دی کہ نسبی برادریاں اس کے آگے ہیچ ہو گئیں۔

کسی قوم میں کوئی ترقی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے تمام افراد کسی ایک نقطہ پر باہم اس طرح مجتمع نہ ہو جائیں کہ وہ نقطۂ اجتماع ان کی زندگی کا اصلی محور بن جائے۔ اس کا تحفظ، اس کی بقاء اس کا وجود تمام افراد قوم کی زندگی کی غرضِ اصلی بن جائے۔ اُس وقت اس مجموعہ افراد کو ایک ملت کہا جا سکتا ہے اور وہی نقطۂ اتحاد ان کا شیرازۂ قومیت، رشتۂ جامعیت اور رابطۂ وحدت قرار پائے گا۔ کسی قوم کی تباہی کا اصلی سبب یہی ہوتا ہے کہ اس کی قومیت کی یہ گرہ کھل جاتی ہے، تمام مجتمع افراد اس طرح متفرق ومنتشر ہو جاتے ہیں کہ ہوا کا ایک ادنیٰ سا جھونکا اُن کو بکھیر دیتا ہے۔

یورپ کے تمام متمدن ممالک کا وجود ''جامعۂ وطنیت'' کے اندر پوشیدہ ہے، ہندوستان کی ترقی کی تمام کوششیں اُس وقت تک بے اثر رہیں گی جب تک اس کی تمام قوموں میں مذہب یا وطن یا زبان یا کسی چیز کا نقطۂ اتحاد نہ پیدا ہو۔ اسلام نے اپنے سامنے دنیا کی عمومی برادری رکھی ہے، وہ کسی ایک وطن کو یا کسی خاص جغرافی ملک کو صرف باہم متحد ہی نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمام دنیا کو متحد کر دینا چاہتا ہے، تا کہ دنیا میں ایک عام امن وسلامتی پیدا ہو جائے۔ موجودہ جنگ کے مصائب اسی غلطی کے نتائج ہیں، یورپ کا رشتۂ اتحاد وطن یا نسل ہے جس کا اشتمال لامحالہ صرف ایک محدود نسلی یا جغرافی ملک ہوگا، اس لیے یورپ میں سینکڑوں جامعیتیں پیدا ہو گئی ہیں، اس وقت انگریز جرمن سے نہیں لڑ رہا بلکہ انگلستان جرمنی سے لڑ رہا ہے۔

اسلام نے جغرافی اور نسلی امتیازات کو جن کے اندر کبھی تمام دنیا نہیں سما سکتی مٹا کر مذہب کو جامعۂ ارتباط اور رابطۂ جامعیت قرار دیا تا کہ دنیا کا جس حصہ اور انسانوں کی جن نسلوں تک بھی اس کا دائرہ وسیع ہو وہ ایک برادری کے اندر داخل ہو جائیں۔

اسلام نے بآواز بلند کہا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات)

ترجمہ: مسلمان تو آپس میں بھائی ہیں

اسلام کے پیغمبر نے اس کی تفسیر میں کہا

تری المومنین فی تراحمهم وتوادهم كمثل الجسد اذا شتكى عضو تداعى له سائرا

الجسد بالسهر والحمی (بخاری ومسلم)

ترجمہ :مسلمان باہمی رحم، محبت اور مہربانی میں ایک بدن کی طرح ہیں، دیکھو کہ ایک عضو کو بھی درد ہوتا ہے تو تمام بدن بے خوابی اور تپ کی دعوت ایک دوسرے کو دیتا ہے۔

پھر فرمایا المومن للمومن کا لبنیان ، یشد بعضه بعضا

ترجمہ: تمام مسلمان مثل ایک دیوار کے ہیں جس کے ایک حصہ سے جڑ کر دوسرا مستحکم ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہوا

اَلْمُسْلِمُ اَخُوا لْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسکی امانت ترک کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا

کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله وعرضه (مسلم)

ترجمہ :ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر تمام چیزیں حرام ہیں اس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا

انمرا خاك ظالما او مظلوما

ترجمہ :اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔

صحابہؓ میں سے ایک نے عرض کی کہ مظلوم ہو تو مدد کروں گا لیکن ظالم ہو تو کیونکر مدد کروں، فرمایا اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے باز رکھو۔

امتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کی نسبت فرمایا۔

ان الله لا یجمع امتی علی الضلالة ویدا للّٰہ علی الجماعة و من شذ شذفی النار (ترمذی)

ترجمہ :اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہ کرے گا۔ خدا کا ہاتھ جماعت پر ہے، جو جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں الگ ہوا۔

تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة وثلثان وسبعون فی النارو واحد فی الجنة وهی الجماعة

ترجمہ :میری امت تہتر فرقوں پر منقسم ہوگی بہتر دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ جماعت

ہوگی۔

انہیں معنی کی اور بہت سی حدیثیں مروی ہیں، ان سے ''اہل السنۃ'' کے بعد ''والجماعۃ'' کی حقیقت واضح ہوتی ہے، قرآن پاک کی اس آیت

واعتصمو بحبل اللہ جمیعا

ترجمہ: اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑو۔

کی یہ سب تفسیریں ہیں، قرآن پاک کی ایک دوسری آیت ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (انعام)

ترجمہ : اور نہ چلو کئی راہیں، پھر وہ تم کو ہٹا دیں گی اللہ کی راہ سے۔

اس آیت کی شرح اُس حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی، اور پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ سیدھی لکیر تو صراطِ مستقیم ہے اور داہنے بائیں کی اہواء (نفسانی) ہیں۔ بعض صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ صحیح راہ کیا ہے فرمایا

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي

ترجمہ: وہ، وہ راہ ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

اسلام میں جماعت شکنی:

اسلام میں ''سنت'' اور جماعت میں سب سے پہلے ''جماعت'' کا اصول ٹوٹا، اس جماعت شکنی نے سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا یعنی عثمانیہ اور سبائیہ۔ یہ فرقے خود صحابہؓ کے اخیر عہد میں پیدا ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے ملکی طرز عمل اور سیاسی انتظامات کی بنا پر دو فرقوں کا ظہور ہوا، ایک ان کا حامی اور طرفدار تھا اور دوسرا ان کا مخالف تھا۔ پہلا فرقہ تاریخ میں عثمانیہ کہلاتا ہے اور دوسرے کا نام سبائیہ ہے (ابن سبا ایک یہودی نومسلم تھا (،) جس نے حضرت عثمانؓ کے مخالفین کو ایک شیرازہ میں مجتمع کیا تھا)۔ عثمانیہ خالص عرب تھے، سبائیہ میں عرب وعجم دونوں عنصر شامل تھے۔ ان دونوں قوموں کے خصائص طبعی بالکل مختلف ہیں، عرب تلوار کے دھنی ہیں اور اہل عجم باتوں باتوں میں کام نکالنے کے عادی ہیں۔ (،) نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو ہی جنگ کے میدانوں کے بعد یہ فرقہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، ایک نے اپنے لئے علویہ یا شیعہ

علی کا لقب پسند کیا اور دوسرا خوارج کے نام سے مشہور ہوا۔ پہلے ان کو عموماً حروریہ کہا جاتا تھا (حرور ایک مقام کا نام تھا) جہاں اس فرقہ نے اپنی علیحدہ ہستی کا سب سے پہلے اعلان کیا) یہ تمام تر عرب تھے، اور نظریہ سابق کے مطابق اس نے اپنے دعوؤں کا دوڈھائی سو برس تک ہمیشہ تلوار کے ذریعہ سے اعلان کیا اور کبھی اس نے خلفائے عہد کے سامنے سر اطاعت خم نہ کیا۔

علویہ میں عرب کمتر لیکن اہل عجم کا بڑا حصہ شامل تھا، اسی لیے اخیر عنصر میں تلوار کے بجائے سازشوں کا مادہ فطرتاً زائد تھا۔ اور جو عرب تھے وہ اپنی وفاداری پر قائم رہے، انصار کا ایک حصہ علوی تھا اور بعض محدثین بھی علوی تھے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل جانتے تھے۔

فرقہ عثمانیہ سو برس تک بنواُمیہ کی زندگی کے ساتھ قائم رہا، بعض صحابہ کرامؓ اور بعض اکابر محدثین اس فرقہ میں داخل تھے۔ اسماء الرجال میں بعض محدثین کے حالات کے ضمن میں اس کی تصریح ملتی ہے کہ وہ عثمانی یا علوی تھے لیکن بنوامیہ کے زوال کے بعد اس فرقہ کا نام ونشان تک نہ رہا۔

ان فرقوں نے تھوڑے دن کے بعد ملک کی جغرافی تقسیم کرلی۔ عثمانی شام میں، علویہ اور حروریہ عراق میں، اور اہل السنۃ حجاز میں۔ ابتداً عثمانیہ اور علویہ میں صرف اسی قدر فرق تھا کہ عثمانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے اور علویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُن سے بہتر جانتے تھے، شیخین کی فضیلت پر دونوں کو اتفاق تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ عثمانیہ ناصبیہ ہوگئے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علی الاعلان نعوذ باللہ بُرا کہنے لگے، لامحالہ اس کا ردعمل ہونا ضرور تھا، علویہ نے نہ صرف بنواُمیہ کو بلکہ خلفائے اولین کو بھی بُرا کہنا شروع کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علویہ کا یہ فعل بہت بعد میں شروع ہوا کیونکہ صحاح کی کتابوں میں بنواُمیہ کی ان شرارتوں اور خوارج کی بدعقیدگیوں کی تردید صحابہؓ کی زبان سے مصرح مذکور ہے، لیکن علویہ کی نسبت انکا کوئی حرف میری نظر سے نہیں گزرا۔

ہم نے لکھا ہے کہ ان سیاسی اختلافات نے مذہبی اختلافات کی بنیاد قائم کی۔ سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ جمل وصفین وغیرہ میں ادھر یا اُدھر سے شریک ہوئے ان میں برسرِ حق کون تھا۔ اور آیا دوسرا فریق اس آیت کا مستحق ہے یا نہیں

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا

ترجمہ: جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا اسکی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

یہ اختلاف سب سے پہلے کوفہ میں پیش آیا اور یہیں سے یہ صدا بلند ہوئی، صحابہؓ زندہ تھے، سعیدؒ بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے؟ فرمایا نہیں یہ آخری آیتوں میں ہے (مسلم کتاب التفسیر) خوارج اس کے قائل تھے کہ چونکہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار اٹھائی اس لیے دونوں جہنمی ہیں، چنانچہ اسی اُصول کی بنا پر تمام خانہ جنگیوں میں وہ دونوں جماعتوں کو برابر کا کافر جانتے تھے، اور چونکہ قتلِ عمد گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے لیے خدا نے دائمی جہنم کی دھمکی دی ہے جو کہ کافروں کی سزا ہے، اس سے وہ ثابت کرتے تھے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب مؤمن نہیں ہیں۔ یہ آیت بظاہر خوارج کے اثبات مدعا میں ایسی صاف تھی کہ خوارج اپنے خیالات کی اشاعت میں اس سے کامیاب ہوتے تھے۔

مسلم میں روایت ہے کہ چند تابعین خوارج کے دلائل سے معقول ہو کر خارجی بن گئے تھے اتفاق سے حج کا زمانہ پیش آیا اور اُن کا مدنیہ میں گذر ہوا، مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی اپنے حلقہ کو درس دے رہے تھے، اُن لوگوں نے اپنے شکوک اُن کے سامنے پیش کئے انہوں نے تشفی کر دی اور ایک کے سوا سب لوگوں نے اپنی سابق رائے سے توبہ کر لی۔

دوسرے فرقوں کے سامنے قرآن مجید کی دوسری آیت تھی:

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات)

ترجمہ: اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم کشت وخون کریں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظالم جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرے۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

﴿جامع دُعاء﴾

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے ہر وہ خیر وخُوبی مانگتے ہیں جو تیرے (پیارے) نبی محمد ﷺ نے تجھ سے مانگی ہے، اور ہر اُس چیز سے پناہ مانگتے ہیں جس سے تیرے (پیارے) نبی محمد ﷺ نے پناہ چاہی۔

(حِصن حصین از علامہ محمد بن جزریؒ)